لاہور میں جب چیچک کی وبا پھیلی تو علامہ اس سے بھی محفوظ رہے۔

۱۹ر مارچ ۱۹۳۳ء کو ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں ۔۔

''یہاں مرض چیچک کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہیں۔اب کے کسی سرد مقام پر جانے کی فکر میں ہوں مگر اب تک مقام تجویز نہیں ہوا''۔

علامہ یکم جون ۱۹۳۵ء سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ۔۔۔

حکیم صاحب سے بھی عرض کریں کہ مجھے کبھی کبھی ملیریا بھی ہو جاتا ہے چند روز کونین کھاؤں تو رکا رہتا ہے۔چھوڑوں تو پھر ہو جاتا ہے۔گزشتہ ماہ میں دو تین دفعہ ہوا۔

علامہ کو یہ وہم تھا کہ انھیں ملیریا ہے شاید بچپن میں ملیریا ہوا ہوگا لیکن متعدد بار بخار، لرز اور سرخ پیشاب کے آنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقبال کو ملیریا کے حملے نہیں بلکہ گردے اور مثانہ کی عفونت یا انفکشن بار بار ہوا کرتی تھی، جس کو وہ ملیریا کا بخار سمجھتے تھے (ھوالعلم)۔

شاید پہلی بار ملیریا ہوگا ہو۔۲۱ر مئی ۱۹۱۵ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ۔۔۔

''بخار معمولی ملیریا تھا۔دو چار روز رہ کر اتر گیا اب خدا کے فضل وکرم سے بالکل تندرست ہوں''۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی خارج از محل نہیں کہ مصونیت (immunity) کا قوی اور کمزور ہونا بھی جدید طبی تحقیقات کی رو سے موروثی ہے۔شاید علامہ کے genes میں ان مہلک امراض سے بچنے کی استطاعت خاندانی ہوگی۔

❁❁❁

بیماری کے اثرات

معذرت اور ترک مصروفیات

اقبال جیسے فعال شخص کو بیماری نے گھر کی چار دیواری میں نہ صرف محصور کر دیا تھا بلکہ چارپائی پر صاحب فراش بھی کر دیا تھا۔آواز کے ساتھ ہیائی بھی جاتی رہی اور پھر سینے کی نفس تنگی نے جان تنگ کر رکھی تھی لیکن ان تمام بیماریوں اور مجبوریوں کے باوجود اقبال انتقال کے کچھ گھنٹے قبل بھی اپنے فرائض اور ملت کے مسائل کو حل کر رہے تھے۔

یہاں ہم پہلے اُن نکات کو پیش کریں گے جو اقبال اپنی علالت کی وجہ سے پورا نہ کر سکے پھر خطوط اور حوالوں سے اشارے پیش کریں گے۔

۱۔ بیماری کی وجہ سے اقبال قرآن کے نوٹس ''مقدمہ القرآن'' نہ لکھ سکے۔
۲۶/اپریل ۱۹۳۵ء کو سر راس مسعود کو لکھتے ہیں ---
''میں قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصے سے میرے زیرِ غور ہیں لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیش کش مسلمانانِ عالم کو پیش نہیں کر سکتا۔ اب اگر صحت اچھی رہی تو بقیہ ایام قرآن شریف کے نوٹ لکھنے پر صرف کر دوں گا''۔
دین محمد تاثیر کو ۲۲/جولائی ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں ---
''اب ذرا صحت اچھی ہو لے تو انشاء اللہ اس کتاب کو لکھنا شروع کروں گا اسی سال کے دوران میں امید ہے صورا سرافیل (ضربِ کلیم) بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر کچھ مدت کے لیے مقدمہ قرآن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا۔ باقی اب زندگی میں کوئی دلچسپی مجھ کو نہیں رہی''۔
مکتوبات اقبال کے آخری باب ''خاتمہ سخن'' میں سید نذیر نیازی لکھتے ہیں ---
''ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تعلیماتِ قرآنی کے بارے میں ان کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا جس کی اپنے اشعار اور خطبات میں انھوں نے وضاحت بھی کی۔ لیکن جہاں تک ان کی تفسیری حاشیوں کا تعلق ہے وہ کبھی سپردِ قلم نہیں ہوئے اور اس کی وجہ ظاہر ہے یعنی علالت۔ البتہ اس سلسلے میں ان کی دو ایک تحریریں ضرور دستیاب ہوئیں اور وہ شاید اب اقبال اکادمی کے پاس محفوظ ہیں۔ ایک تحریر میں تو فقہ اسلامی کی بحث میں بعض قرآنی مصطلحات پر مشتمل ہے۔ لیکن ان دونوں تحریروں کی صورت حواشی کی نہیں۔ حضرت علامہ نے ان تحریروں میں کوئی جملہ بھی رقم نہیں فرمایا۔ صرف چند الفاظ متفرانہ انداز میں لکھے ہیں جس سے کچھ مترشح ہوتا ہے تو یہی کہ انھوں نے اپنی یادداشت کے لیے چند ایک باتیں بطور اشارات لکھ لیں تھیں۔ رہا یہ امر کہ وہ ان باتوں کی تشریح اور تفصیل کس انداز میں اور کس نہج پر کرتے اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے''۔

اقبال ''مقدمۃ القرآن'' کے علاوہ ایک اور کتاب ایک فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ بھی بیماری کی وجہ سے لکھا نہ جا سکا۔ ۲/دسمبر ۱۹۳۴ء کو خواجہ غلام السیدین کو لکھتے ہیں ---''میرا خیال ہے کہ ایک کتاب بعنوان ایک فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ لکھوں۔ عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ اس کتاب کا صرف تشریحی عنوان ہو گا۔''

ب۔ بیماری کی وجہ آواز بیٹھ جانے سے قرآن کی تلاوت سے محروم ہو گئے۔ خطوط، حوالوں اور اطرافیان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال سحر خیز تھے اور قرآن کی تلاوت بڑے ذوق وشوق سے فرماتے جس کا ذکر مہاراجہ کشن پرشاد کے خط میں بھی کیا ہے۔

آخری علالت کے دوران آواز کے بیٹھ جانے، تنگیٔ نفس کے عارضہ اور بینائی کے کم ہو جانے کے باعث جب تلاوت کا سلسلہ چھوٹ گیا تو ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کے ختنیہ اشعار میں اس طرف حسرت بھرا اشارہ کرتے ہیں

گرد تو گردد حریم کائنات
از تو خواہم یک نگاہ التفات
در نفس سوز جگر باقی نماند
لطف قرآنِ سحر باقی نماند

(ترجمہ) تمام کائنات ترے صدقے پھرتی ہے تجھ سے ایک محبت اور لطف کی نگاہ چاہتا ہوں میرے سینے میں وہ نفس (آواز واثر) باقی نہ رہا اور سحر کے وقت تلاوت کا مزا باقی نہ رہا۔

ج۔ اقبال چاہتے تھے کہ انگریزی زبان میں اسلام کے فلسفۂ قانون پر ایک کتاب لکھیں چنانچہ میاں محمد شفیع کو اپنی آخری علالت کے زمانے میں اس کے کچھ نوٹس بھی لکھوائے لیکن افسوس کہ وہ کتاب علالت کی وجہ سے کبھی تکمیل نہ ہو سکی۔ چند خاکے جو اقبال نے میاں محمد شفیع کو لکھوائے تھے وہ شائع ہو چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی اس کتاب کا نام Construction of Islamic Jurisprudence تھا۔

د۔ اقبال علالت کے باعث رہوڈز لیکچر نہ دے سکے۔

۲۲؍ جولائی ۱۹۳۴ء کو ایڈورڈ تھامپسن کے نام ذاتی اور صیغہ راز خط میں لکھتے ہیں ---

''گزشتہ پانچ ماہ کے برقی علاج سے کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ یہاں کے ڈاکٹر ویانا میں معالجہ کرانے کی رائے دیتے ہیں لیکن مجھ ایسے غریب آدمی کے لیے اس کے اخراجات کا متحمل ہونا دشوار ہے میں نہیں سمجھتا کہ ۱۹۳۵ء میں رہوڈز لیکچر دینا میرے لیے ممکن ہو سکے گا۔ لیکن میں چند دن اور انتظار کروں گا پھر لارڈ لوتھین کو اس بارے میں لکھوں گا''۔

۲؍ مارچ ۱۹۳۶ء کو محمد عبدالجلیل بنگوری کو لکھتے ہیں ---

''میں بدستور بیمار ہوں۔ بھوپال میں برقی علاج ہو رہا ہے۔ بوجہ علالت رہوڈز لیکچر زفی الحال منسوخ کر دیے ہیں''۔

روزگار فقیر میں فقیر وحیدالدین لکھتے ہیں ---

''گلے کی تکلیف شروع ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اس حادثہ نے ان کی رہی سہی مصروفیتیں بھی ختم کر دیں اور انہوں نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ اس زمانے میں انہیں ترکی اور مصر سے تقریر کرنے کی دعوتیں آئیں۔ ان دعوت ناموں کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے کہ میرا گلا ٹھیک ہو لے تو ضرور جاؤں گا، لیکن مرض بڑھتا گیا اور ڈاکٹر صاحب صحت کی جانب سے مایوس ہو گئے ایک دن بڑی مایوسی کے لہجہ میں فرمایا۔ خدا نے مجھے زبان تو عطا کی ہے لیکن آواز سے محروم رہا۔ یہ کہتے کہتے ان پر رقت طاری ہو گئی''۔

۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مولوی عبدالحق کو لکھتے ہیں ---

''میں تو علی گڑھ حاضر ہونے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہوا۔ اس بنا پر بقیہ علاج کیلئے بھوپال نہیں جا سکا علیٰ ہذا القیاس فلسطین کانفرس کی صدارت سے بھی اسی بنا پر انکار کرنے پر مجبور ہوا۔ حالانکہ مسئلہ فلسطین سے مجھے بے حد دلچسپی ہے''۔

۱۹ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو راغب احسن کو لکھتے ہیں ---

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں طویل علالت کے باعث کلکتہ میں منعقد ہونے والی فلسطین اور لیگ کے کانفرسوں میں شرکت سے معذور ہوں''۔

علامہ کو ڈی لٹ کی ڈگری علی گڑھ یونی ورسٹی کی طرف سے بطور اعزاز دی گئی اور ان کو آنے کی دعوت دی گئی تھی لیکن علامہ نے اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت کر لی۔ چنانچہ

۱۹ر جنوری ۱۹۳۵ء کو پروفیسر میاں محمد شریف کو لکھتے ہیں ---

''علی گڑھ یونی ورسٹی نے میری جو قدر افزائی فرمائی ہے اس کے لیے میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں یہ اعزاز اور بھی گراں قدر ہو جاتا ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میرا کوئی حق اُس یونیورسٹی پر نہ تھا۔ امید نہیں کہ ایک ہفتہ تک اس شدت سرما میں سفر کے قابل ہو سکوں''۔

۳۱ر جولائی ۱۹۳۴ء کو عظمت الٰہی زبیری کو لکھتے ہیں ---

''میں ان دنوں گلوں کی خرابی میں مبتلا ہوں اور میرے لیے سفر کرنا مشکل ہے۔ تاہم اگر مجھے (علی گڑھ آنے سے) مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے امیدواروں کے نام ان کی تعلیمی استعداد اور ان کی ادبی سرگرمیوں سے آگاہ کر دیں تو میں آپ کو اپنی رائے لکھ بھیجوں گا''۔

۲۰ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''کل جنوبی افریقہ سے دعوت آئی ہے اور وہاں کے مسلمان مصر ہیں کہ یہاں کا دورہ ضروری

ہے۔گزشتہ ہفتہ ایک خط جرمنی سے آیا جس سے معلوم ہوا ہے کہ ترکی کی طرف سے بھی تم کو دعوت دی جانے والی ہے بہر حال میری خواہش ہے کہ اس جہان سے رخصت ہونے سے پہلے

بہ آورد ہر چہ اندر سینہ داری
سرودی نالۂ آہی فغانی"

۷ردسمبر ۱۹۳۴ء کو رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو لکھتے ہیں ---

"مجھے آپ کا خط ملا۔اس سے قبل آپ کا تار موصول ہوا تھا۔یونیورسٹی کورٹ نے مجھے اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔آپ کا میں بے حد ممنون ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میرا شکریہ یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد تک پہنچا دیں۔

آپ کو شاید علم ہوگا کہ میں پچھلے ۱۱/ ماہ سے گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔اب میری آواز میں ذرا سا افاقہ نظر آ رہا ہے اور مجھے خوف ہے کہ ٹھنڈ لگ جانے سے میرا مرض عود نہ کر آئے یا اس کے ٹھیک ہونے میں دیر لگ جائے میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ براہ کرم مجھے مطلع کریں کہ کیا یونیورسٹی کے قوانین وضوابط اس بات کی اجازت دیں گے کہ ڈگری مجھے اگلے سال دے دی جائے۔جب تک مجھے اُمید ہے کہ میں پوری طرح موجودہ بیماری سے نجات پالوں گا۔میں ریل کے سفر کرنے کا خطرہ جاڑوں میں صرف اس صورت میں لے سکتا ہوں جب یونیورسٹی کے قوانین کے تحت میری موجودگی قطعاً ناگزیر ہو"۔

ح۔بیماری کی وجہ سے اقبال متعدد علمی کانفرسوں، جلسوں اور جشنوں میں شرکت نہ کر سکے

حکومت ایران نے فردوسی کی ہزار سالہ جوبلی منانے کا اعلان کیا تو علامہ کو بھی دعوت دی تھی محمد طاہر فاروقی صاحب اس زمانے میں حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں ہیڈ مولوی تھے۔انھوں نے علامہ کو خط لکھ کر اپنے ارادہ کا اظہار کیا جس پر علامہ نے اگست ۱۹۳۴ء میں لکھا......"میں کچھ عرصے سے علیل ہوں۔ناسازیٔ طبع کے باعث سفر کا ارادہ ملتوی کر چکا ہوں۔آپ کا قصد ہو تو جائیں۔قونصل جنرل ایران سے خط وکتابت کر کے جزئیات معلوم کر لیں"۔

حیدرآباد دکن سٹی کالج کی مجلس انتظامی کو ۲۳/ جنوری ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں ---

"افسوس کہ میں ایک طویل علالت کی وجہ سے آپ کے جشن میں شرکت سے معذور ہوں۔آپ نے یوم ولی منا کر شاعر اعظم ولی کی یاد کو جو تازہ کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ قومیت اور اسلاف پرستی کا صحیح جذبہ ہے۔خدا کرے یہ جلسہ کامیاب ہو"۔

۲۸/ اپریل ۱۹۳۷ء کو مولوی عبدالحق کو لکھتے ہیں ---

''نیز انجمن کی رجسٹری کرانا بھی منظور ہے۔اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے آپ کا دلّی میں نقل سکان کرنا بہت ضروری ہے۔معلوم نہیں آپ کے حالات ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کرتا لیکن افسوس ایک تو علالت پیچھا نہیں چھوڑتی دوسرے بچوں کی خبر گیری اور ان کی تعلیم و تربیت کے فکر افکار دامن گیر ہیں''۔

سید مظفر حسین برنی کلیات مکاتیب اقبال میں لکھتے ہیں---

''سید خلیل احمد دہلی میں مجسٹریٹ تھے۔یہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں اینگلو عربک کالج اورینٹل سوسائٹی کے وائس پریسیڈنٹ تھے۔جب سوسائٹی نے ''غالبؔ ڈے'' منایا تو سر آغا خان نے غالبؔ کی تصویر کشائی کی تھی۔اس موقع پر مشاعرے کی صدارت کی دعوت پر علامہ اپنے جواب میں سید خلیل احمد صاحب کو ۲۹/اکتوبر ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں---میں قریباً دو سال سے علیل ہوں۔گلے کی بیماری ہے جس کی وجہ سے میں کسی قسم کی تقریر نہیں کر سکتا میں اس رسم کو ادا کرنا اپنے لیے سرمایۂ افتخار جانتا ہوں مگر افسوس کہ علالت کی وجہ سے ایسا کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔میں آپ کی سوسائٹی کو غالبؒ کی قدر شناسی پر مبارک باد دیتا ہوں''۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو لکھتے ہیں---

''غالباً آپ کو علم نہیں کہ میں پچھلے سارے سال بیمار رہا اور اوّل ڈاکٹروں کے اور بعد میں آپ کے بھائی صاحب کے زیر علاج رہا۔میرا گلا بہت خراب ہو گیا ہے۔اس عارضہ کی وجہ سے میں کسی قسم کی تقریر کرنے سے معذور ہو گیا ہوں۔صرف دھیمی آواز میں گفتگو کر سکتا ہوں۔حکیم صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں گا اور میری اواز میں یَمں افاقہ فروری کے مہینے میں ہو جائے گا۔میں اس وقت تک انتظار کروں گا اور اگر کوئی افاقہ نہیں ہوتا تو ویانا جانے کا قصد کروں گا۔اس سلسلہ میں آپ کے مشورہ اور امداد کا طالب ہوں''۔

۱۵/مارچ کو پروفیسر ورما جنھوں نے علامہ کو ہندی کانفرس میں دعوت دی تھی لکھتے ہیں--

''اس اعزاز کے لیے جس سے آپ مجھے سرفراز کرنا چاہتے ہیں۔سراپا سپاس ہوں۔یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اس سے محروم رہوں گا۔یہ بات کہ مجھے گلہ کی خرابی کا عارضہ ہے جس کا علاج ابھی ایک سال اور جاری رہے گا۔وہاں کے ڈاکٹروں نے مجھے مکمل ذہنی اور جسمانی آرام کرنے کی تاکید کی ہے''۔

۱۲/فروری ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں---

''میری طبیعت کئی دنوں سے علیل ہے اس لیے دہلی ڈاکٹر وہبی صاحب کے لکچر کی صدارت کے لیے نہیں جاسکوں گا''۔

(ڈاکٹر بہجت وہبی ترکی سے پیرس منتقل ہو گئے تھے بڑے پر جوش اور غیور مسلمان تھے)

ی۔ بیماری ہی کہ وجہ سے اقبال نے سیاسی عملی شرکت بھی کم کر دی۔

۱۵ راگست ۱۹۳۵ءکو نصر اللہ خاں جو روزنامہ زمیندار سے وابستہ تھے لکھتے ہیں --

''افسوس کہ میں ابھی علیل ہوں اگرچہ پہلے کی نسبت کسی قدر افاقہ ہے۔عام صحت کسی قدر بہتر ہوگئی ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔اسمبلی کے آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کی نہ ہمت ہے نہ ارادہ''۔

۲۴ رستمبر ۱۹۳۷ءکو راغب احسن کو لکھتے ہیں ---

''یہ افسوس ہے کہ طویل علالت اور نیز ضعف قلب اور ضعف بصارت کہ وجہ سے حال کی تحریکوں میں کوئی عملی حصہ لینے سے محروم ہوں''۔

ک۔ اقبال آنکھ کی بینائی کی کمی کے باعث خط و کتابت سے محروم ہو گئے۔

۲۴ راپریل ۱۹۳۷ءکو شیخ اعجاز احمد کو لکھتے ہیں ---

''ڈاکٹر نے مجھ کو آنکھ کے دوسرے معائنہ تک لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے''۔

۱۹ رفروری ۱۹۳۷ءکو محمد رمضان عطائی کو لکھتے ہیں ---

''میں ایک مدت سے صاحب فراش ہوں خط و کتابت سے معذور ہوں''۔

اقبال درون خانہ میں اقبال کی بھتیجی وسیمہ مبارک کہتی ہیں ---

''نانا جان قبلہ کی نظر بہت کمزور ہوگئی اور وہ خود کچھ لکھنے سے معذور ہو گئے تو اکثر خطوط کے جوابات حمید صاحب سے لکھوایا کرتے تھے۔البتہ خط کے نیچے دستخط خود کر دیا کرتے۔لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دستخط تک کرنا ممکن نہ رہا، چنانچہ حمید صاحب ہی کو دستخط کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی۔آج بھی حمید صاحب کو یاد ہے کہ وہ کس طرح آپ کے دستخط کیا کرتے تھے۔انھوں نے کپکپائے ہوئے ہاتھ سے دستخط کر کے مجھے دکھائے جو شاعر مشرق کے دستخطوں سے کافی مشابہت رکھتے تھے''۔

۲۴ راپریل ۱۹۳۵ءکو اکبر شاہ نجیب آبادی کو لکھتے ہیں ---

''میں ایک سال سے صاحب فراش ہوں تمام مشاغل ترک ہیں''۔

ل۔ اس تحریر کے آخر میں ہم وہ مضمون پیش کریں گے جس میں بیماری کی معذوری کی وجہ

سے سب سے زیادہ اقبال کو دکھ پہنچا۔علامہ کے بڑے بھائی عطا محمد کی سب سے چھوٹی بیٹی وسیمہ مبارک کو تقریباً ۲ سال کی عمر میں علامہ کی بیگم سردار بیگم نے گود لے لیا تھا اور اس طرح انھوں نے اپنی شادی تک علامہ اقبال کے زیر سایہ پرورش پائی ۔وسیمہ مبارک کے بیٹے خالد نظیر صوفی لکھتے ہیں۔۔۔

''والدہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ'' شادی کے کچھ عرصے بعد میں چچا جان اور چچی جان کی بیمار پرسی کے لیے لاہور گئی تو چچی جان کی تشویش ناک حالت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آ رہ گئی۔ابھی چند ماہ پیشتر میں انھیں اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی مگر اس قلیل عرصے میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھیں اور چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی۔اس روز ان کی ران پر نکلے ہوئے پھوڑے کا گھر پر ہی آپریشن ہوا تھا جس کی تکلیف سے وہ نڈھال ہو رہی تھیں۔چچی جان میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی رہیں اور روتی رہیں۔چچا جان کو میرے آنے کی خبر ہوئی تو آپ فوراً اندر تشریف لے آئے اور ہمیں روتا دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گئے اور گلوگیر آواز میں چچی جان کو مخاطب کر کے فرمایا: 'سردار! سیما بے چاری اتنی دور سے تمہاری خبر لینے آئی ہے اور تم رُلا رُلا کر اسے ہلکان کیے دے رہی ہو۔چچی جان نے یہ سُن کر بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا اور مجھے بھی چپ کرایا۔میں سیدھی ہو کر بیٹھی تو چچا جان نے پیار سے میرے سر کو تھپتھپایا اور میرے پاس ہی بیٹھ گئے۔میں نے دیکھا کہ اس عرصے میں وہ بھی کافی کمزور ہو گئے تھے اور چہرے پر زردیاں کھنڈ رہی تھیں۔آخر چچا جان ہی نے مہر سکوت توڑی اور بڑی افسردگی سے شادی میں شامل نہ ہو سکنے پر میری ساس صاحبہ سے (وہ بھی میرے ساتھ ان کی بیمار پرسی کے لیے گئی تھیں) اور مجھ سے معذرت کی۔آپ کے گلے میں اس وقت بھی شدید تکلیف تھی اور آپ بڑی مشکل سے بات کر رہے تھے۔زور لگانے سے گلے کی رگیں پھول جاتیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا۔پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں فرمایا: ''زندگی میں شاید اس سے زیادہ دکھ مجھے کسی اور بات سے نہیں پہنچا کہ بیماری نے سردار کو اور مجھے اس قدر معذور کر دیا کہ ہم دونوں اپنی پیاری بیٹی کی شادی میں شمولیت سے محروم رہے''۔آپ کا اتنا کہنا تھا کہ جذبات سے مغلوب ہو کر چچی جان پھر سے رونے لگیں اور میرے بھی آنسو نکل آئے۔چچا جان جلدی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔شاید وہ ہمارے سامنے آنسو بہانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔''

❀❀❀

استقامت اور اُمید

اقبال کے عقیدے میں ناامیدی کفر تھی اور استقامت و توکل ان کا ایمان تھا۔ اُن کی زندگی میں مشکل سے مشکل مواقع آئے اور انھوں نے انہی حربوں سے فتح حاصل کی۔ اگرچہ آخری زندگی میں بیماریوں نے انھیں دبوچ لیا تھا پھر بھی ان کے پائے استقامت اور عزم و ارادہ میں کوئی خاص فرق نہ ہوا۔ اقبال کا یہ نصب العین ان کی جوانی سے آشکار تھا۔ حیات و ممات کے مسائل ان کے دل چسپ افکار استغراق تھے۔ چنانچہ اس کی جھلک ہمیں ان کے اُس خط میں نظر آتی ہے جو ۱۷ر جولائی ۱۹۰۹ء کو عطیہ فیضی کو لکھا۔۔۔

''بلاشبہ ہر شخص کے لیے زندگی موت کے انتظار کا نام ہے میں اگلے جہان کی سیر کا آرزومند ہوں۔ وہاں پہنچ کر چاہتا ہوں کہ اپنے خالق کی زیارت کروں اور اُس سے تقاضا کروں کہ میری ذہنی کیفیت کی عقلی وضاحت کی جائے اور یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ مجھ سے آپ کو شکایت نہ ہونی چاہیے میں تو خود اپنے لیے بھی ایک معمہ ہوں برسوں گزرے میں نے کہا تھا ؎

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوئے ہیں عوام پر ظاہر ہو جائیں تو پھر مجھے یقین واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا اخراج عقیدت پیش کرے گی۔''

سیّد نذیر نیازی تحریر کرتے ہیں:

''ان حالات میں اگر کوئی انہیں دیکھتا جیسا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں، تو اسے معلوم ہو جاتا کہ حضرت علامہ ایک زندہ انسان ہیں اور اس لیے زندگی سے انھیں جو ذوق وشوق ہے اس میں کوئی اضمحلال پیدا نہیں ہوا۔ نہ طرح طرح کے عوارض اور مرض کی روز افزوں شدت سے ان پر یاس و ناامیدی کی کوئی کیفیت طاری ہوئی نہ اس سے گھبرا کر انہوں نے کسی تلخی اور افسردگی کا اظہار کیا۔ وہ ہر لحظہ ''زندہ'' تھے اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ان کا دل زندہ تھا۔ دورانِ علالت میں بھی ان کے افکار میں وہی تازگی، جذبات میں وہی نزاکت اور طبیعت میں وہی شگفتگی قائم رہی جو شروع ہی سے ان کے اندر رچی آ رہی تھی''۔

مولانا غلام رسول مہر اقبال درون خانہ تصنیف خالد نظیر صوفی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''ان کے بعض معاملات بڑے ہی عجیب تھے۔ وقتاً فوقتاً گردے اور نقرس کا درد ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ گرمیوں میں گردے کی تکلیف ہوئی اور کئی روز بیمار رہے۔ میں دوپہر کے وقت دفتر جاتے جاتے مزاج پرسی کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں ان کی خواب گاہ کے پیچھے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ شمالی جانب تھا اس میں تپش بہت کم ہوتی تھی فرش پر خوب پانی ڈلوا کر اس کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے خاموش بیٹھ کر ان کے چہرۂ مبارک پر نظر جمائی۔ ہم لوگ عموماً ان کی نگاہوں سے حالات کا اندازہ کرنے کے عادی تھے۔ اسی اثنا میں ایک اور صاحب بھی عیادت کے لیے آ گئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ یکا یک حضرت مرحوم نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''مہر صاحب'' تکلیف انسان پر اس کے نفس کی طرف سے آتی ہے یا اللہ کی طرف سے۔ میں جواب میں حدیثِ جبرئیل سے وہ الفاظ دہرا دینا چاہتا تھا جو رسولِ اکرم ﷺ نے قیامت کے سوال پر فرمائے تھے ''جس سے پوچھا گیا ہے اس کا علم پوچھنے والے سے زیادہ نہیں۔'' لیکن میں کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ جو صاحب میرے پاس بیٹھے تھے بول اُٹھے۔ ڈاکٹر صاحب سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ پہلے چیخ نکلی پھر روتے روتے کہتے جاتے کہ ''اگر یہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے تو میری توبہ، میری توبہ۔ میں نے کیوں شکوہ کیا۔ طبیعت کے معمول پر آنے میں پانچ سات منٹ ہو گئے''۔

روزگار فقیر میں وحیدالدین لکھتے ہیں---

''اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اپنی حکمتیں اور اُن کے رموز وہی جانتا ہے۔ بندہ کا کام تو اطاعت و فرمانبرداری، ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرنا اور صبر اختیار کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یکے بعد دیگرے اتنی بیماریاں لاحق ہوئیں کہ زندگی اجیرن ہو گئی۔ مگر ان بیماریوں کے باوجود اُن کی زندگی کے معمولات میں سرِمو فرق نہیں آیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلسل علالتوں نے اُن کے مزاج کی سنجیدگی کو متغیر نہیں کیا۔ ورنہ عام طور پر مریضوں کو دیکھا گیا ہے کہ بیماری اُنہیں چڑچڑا بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تبخیر معدہ اور بدہضمی کے پرانے مریض تھے، سوڈے کی بوتلوں کا اہتمام ہوتا۔ پھر نقرس کا حملہ ہوا اور گردہ کی شکایت ہوئی، ضیق النفس کے سبب آواز بیٹھ گئی، بے چینی اور کرب نے مستقل رفاقت اختیار کر لی۔ آخر عمر میں بصارت بھی بڑی حد تک جواب دے گئی، مگر بیماریوں کے حملوں نے اُن کی حوصلہ مندی، ثابت قدمی اور خوش خوئی میں فرق نہ آنے دیا۔ بیماریوں سے دل گرفتہ ہونا جیسے انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ذرا

طبیعت سنبھلی تو وہی احباب کی محفلیں، علمی مباحثے، سیاست، مذہب، فلسفہ، منطق، تاریخ اور تصوف ان میں سے ہر موضوع پر نئے اور پرانے ملاقاتی اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ خیال کرتے اور علمی تشنگی بجھاتے۔

آخری عمر میں وہ بالکل نڈھال ہو گئے تھے۔ بیماریوں کے حملوں پر حملے۔ مگر اس نقاہت اور ناتوانی کے عالم میں بھی پابندی کے ساتھ کسی تاخیر کے بغیر خطوں کا جواب دیتے اور جب لکھنے کی طاقت نہ رہی، تو دوسروں سے خطوں کا جواب لکھواتے۔ کسی کو بے جا زحمت دینا کبیدہ خاطر کرنا بہر حال گوارا نہ تھا۔

انجمن حمایت اسلام (لاہور) کو وہ مسلمانوں کی تنظیم و تعلیم اور اشاعتِ دین کا موزوں پلیٹ فارم اور ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کے ساتھ ایک بار جو تعلق قائم ہوا اُسے مرتے دم تک منقطع نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ شدید علالت اور معذوری کے سبب انجمن کی صدارت سے مستعفی ہونے سے پہلے تک یہ کیفیت رہی کہ کمزوریٔ بصارت کے سبب پڑھنے میں دقت ہوتی تو انجمن کے کاغذات پڑھوا کر سنتے اور اُن پر نوٹ اور ضروری احکام لکھوا کر دستخط کرنے کی بجائے اپنے نام کی مُہر لگواتے۔ انجمن کے جلسوں میں پابندی کے ساتھ بالالتزام شرکت اور اپنی تازہ نظم پڑھنا، یہ اُن کا معمول رہا۔ انجمن حمایت اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُس کے پلیٹ فارم سے حکیم شرق نے بارہا اپنی نظمیں پڑھیں۔ اُن کی شہرہ آفاق نظم ''شکوہ'' بھی اسی انجمن کے سالانہ اجلاس میں اُن کی زبانی سُنی گئی۔ ڈاکٹر صاحب آخری بار ۱۹۳۶ء میں انجمن کی سالانہ کانفرس میں شریک ہوئے مگر ناتوانی اور خرابیٔ صحت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود نظم سنانے کے قابل نہ تھے۔ اُن کی یہ نظم جس کا پہلا مصرعہ ہے

''خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ''

کو کسی اور شخص نے پڑھا''۔

اقبال بہت خوش عقیدہ مسلمان تھے۔ مختلف خطوں میں کہیں وہ شفا کو مکّہ کی صراحی سے حاصل کر رہے ہیں، کہیں کسی سید زادہ کے کہے ہوئے نسخہ کو استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں انھیں حکیم نابینا کی روحانیت پر بھروسہ ہے، کہیں حضور پاک پر درود پڑھ کر باطنی درمان حاصل کر رہے ہیں۔ شیش محل میں سر سید احمد خان کو خواب میں دیکھ کر عقیدۃً اشعار میں فرما رہے ہیں کہ میں تاریکیاں پھیلانے والوں سے لڑ رہا ہوں کچھ اور تیل میرے چراغ میں ڈال دے۔

با پرستاران شب دارم ستیز

باز روغن در چراغ من بریز

ذیل کے خطوں اور کچھ اطرافیان کے بیانات سے فوق مذکور مطالب مزید واضح ہوں گے

اقبال جب نقرس کے مرض میں کئی ہفتے صاحبِ فراش ہوئے تو اپنے خط میں حکیم اجمل خاں دہلوی کے علاج کا ذکر کرتے ہوئے مولانا گرامی کو ۲۳ر مارچ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں ---

''آپ مستجاب الدعوات ہیں۔میرے لیے اوقات خاص میں دعا فرمایئے''۔

ایک اور خط میں جو مولانا گرامی ہی کو لکھا گیا کہتے ہیں ---

''کل گورداس پور سے ایک حکیم صاحب خود بخود تشریف لے آئے تھے۔انھیں کسی سے میری علالت کا حال معلوم ہوا تھا۔دوا دے گئے ہیں جس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا کیوں کہ جن اجزا سے یہ مرکب ہے ان میں سے ایک اخلاص بھی ہے جو حکیم صاحب کو خود بخود میرے مکان تک لے آیا بہر حال ضدا تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہوں''۔

۵ر جون ۱۹۲۴ء کو نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ----

''پیاس ہو تو کیا پیا جائے، کوئی شربت یا کچھ اور برف کے استعمال کے متعلق کیا ہدایت ہے؟ فی الحال میں ایک صراحی میں جو مکہ شریف سے ایک شخص تحفہ لایا تھا پانی سرد کر لیا کرتا ہوں۔ کل شام ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر حکیم صاحب کامیاب ہو گئے تو ان کا یہ دوسرا معجزہ ہے''۔

۱۷ر جون ۱۹۲۴ء کو سید نذیر نیازی کے خط میں لکھتے ہیں ---

''حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اب کی دفعہ کوئی اس سے زیادہ طاقت ور دوا ہو تو اور بھی اچھا ہے تا کہ معجزہ کا ظہور ہو۔حکیم صاحب اوقات خاص میں مجھے بھی یاد رکھیں''۔

یہاں علامہ کو شفا میں معجزہ کی توقع ہے اور وہ دعا اور دوا دونوں کے اثرات دیکھنا چاہتے ہیں۔

۲۴ر جون ۱۹۲۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ----

''دوا کا پارسل ابھی ملا ہے جس کے لیے حکیم صاحب کی خدمت میں بہت بہت شکریہ عرض کیجئے۔ان سے کہیے کہ آپ انصار ہیں میں مہاجرین سے ہوں کیونکہ میں نے زمانہ، حال سے خیر القرون کی طرف ہجرت کی ہے۔روحانی نہیں تو دماغی اعتبار سے ہی سہی۔اس واسطے میرا ان پر حق ہے اور میں ان سے اسی سلوک کا متوقع ہوں جو انصار نے مہاجرین سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی میں ان کی کرامت کا مستحق ہوں۔کہ مستحق کرامت گناہگار انند''۔

۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے گا کہ مجھے نماز کا پورا پابند کرنے اور ہوا خوری

کی عادت ڈالنے کے لیے آپ کے روحانی اثر کی ضرورت ہے''۔

۲۴ر جولائی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''اگر میری آواز اپنی اصلی حالت پر عود کر آئی تو میں اپنی اس بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا کیوں کہ اس بیماری نے حکیم صاحب سے وہ اوقیہ استعمال کرنے کا موقع پیدا کیا جنھوں نے میری صحت پر ایسا نمایاں اثر کیا ہے۔ تمام عمر میں میری صحت ایسی اچھی نہ تھی جیسی اب ہے''۔

اگست ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''ڈاکٹر صاحبان بغلیں بجاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آواز درست نہ ہوگی میں بھی کبھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں مگر حکیم صاحب کی توجہ اور ان کی روحانیت پر بھروسہ رکھتا ہوں''۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو سید محفوظ بدایونی کو لکھتے ہیں ---

''میں گزشتہ ۱۸ ماہ سے علیل ہوں سفر بہت کم کرتا ہوں۔ ہر تیسرے مہینے بھوپال جاتا ہوں۔ وہاں برقی علاج ہے جس سے کچھ فائدہ ہے اب ویانا جانے کی فکر میں ہوں۔ یہ ظاہری علاج ہے باطنی علاج صرف اس قدر ہے کہ آپ جد پر درود پڑھتا ہوں۔ آپ بھی دعا فرمایئے''۔

۱۳ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ---

''آپ عاشقانِ رسولؐ میں سے ہیں۔ اس واسطے ایک اور بات آپ کے گوش گزار کرنے کے لائق ہے''۔

''۳ر اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سرسید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو۔ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا حضور رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرض داشت کے چند شعر جواب طویل ہو گئی ہے میری زبان سے جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی فارسی پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق نام کے ساتھ یہ عرض داشت شائع ہوگی۔ ۴ر اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔ گو اس ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔ جسم میں بھی عام کمزوری ہے زیادہ کیا عرض کروں''۔

۱۳ر جون ۱۹۳۷ء کو ماسٹر عبداللہ چغتائی کو لکھتے ہیں --

''لیکن بہ حیثیت مجموعی ایک دائم المریض کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تاہم صابر اور شاکر ہوں۔ انشاء اللہ جب موت آئے گی تو مجھے متبسم پائے گی۔ قصد تو یہ تھا کہ زندگی کے باقی دن

جرمنی اور اٹلی میں گزار دوں۔مگر بچوں کی تربیت کس پر چھوڑ دوں۔اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو زیادہ سے زیادہ مکہ سے ہوتا ہوا ممکن ہے مدینہ تک پہنچ سکوں۔مجھ ایسے گناہگاروں کے لیے آستان رسالتؐ کے سوا اور کہاں جائے پناہ ہے؟''

اقبال کی سگی بھتیجی وسیمہ مبارک کا بیان ان کے بیٹے صوفی صاحب اقبال درون خانہ میں لکھتے ہیں ---

''نانا جان مرحوم نے وفات سے چند روز پیشتر بڑے نانا جان (شیخ عطا محمد صاحب) کے دلاسا دینے پر اُن سے کہا تھا:''بھائی صاحب! میں موت سے نہیں ڈرتا، انشاء اللہ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کروں گا۔'' پھر یہ شعر پڑھا :

نشان مردِ مومن با تو گویم

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

ان کی وفات کے بعد جب بڑے نانا جان قبلہ لاہور پہنچے تو جنازہ اٹھایا جا چکا تھا۔وہ بادشاہی مسجد پہنچے تو وہاں اس قدر ہجوم تھا کہ میت تک رسائی ناممکن تھی۔حضرت علامہ کے بڑے بھائی زاروقطار رو رہے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے :''مجھے ایک دفعہ اقبال کا چہرہ دیکھ لینے دو۔اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب مردِ مومن فوت ہوتا ہے تو اس کے چہرے پر تبسم ہوتا ہے۔مجھے دیکھنے دو کہ اس کا کہنا سچ ہوا یا نہیں۔'' آخر جب بڑی تگ و دو کے بعد وہ علامہ صاحب کی میت کے سرہانے پہنچے اور اپنے عزیز اور عظیم بھائی کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو شدتِ غم سے رندھی ہوئی آواز میں کہا :''اقبال! تو نے سچ کہا تھا۔مجھے فخر ہے کہ تیرے چہرے پر تبسم موجود ہے۔تو نے اس شعر کی بالکل صحیح تفسیر پیش کی ہے۔خدا مجھے بھی تیرے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے!''

جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ علامہ کا توکل بے مثال اور ان کی ہمت بے نظیر تھی۔راقم کے تجربہ میں جب ہم کسی مریض کو ایسی تشخیص کی خبر دیتے ہیں جس میں موت کا خطرہ ہوتا ہے تو ہم نے دیکھا اچھے اچھے صابر وشاکر افراد کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جاتی ہے۔راقم نے وہ سانحے بھی دیکھے کہ ٹیومر کی تشخیص سن کر غشی طاری ہوگئی اور کئی ہفتے تک طبیعت سنبھل نہ سکی۔ان تجربوں کو سامنے رکھ کر جب ہم علامہ کے اُس خط کا جائزہ لیتے ہیں جو انھوں نے سید نذیر نیازی کو رسولی یا Growth کی تشخیص جو ڈاکٹر ڈک ریڈیالوجسٹ لاہور نے علامہ کے سینے کے ایکس ریز کی رپوٹ میں دی تھی جس پر علامہ بڑے سکون اور بغیر کسی ہیجان اور پریشانی کے

ان مطالب کو نیازی صاحب کو لکھ کر کہتے ہیں کہ ''ان مطالب کو حکیم صاحب کو بتا دیں اور ان کا خیال میرے لیے لکھیں اگر حکیم صاحب خود معائنہ کرنا چاہیں تو میں دہلی بھی آ سکتا ہوں''۔

اگر چہ یہ تشخیص بعد میں غلط ثابت ہوئی لیکن بہر حال اُس وقت علامہ کی ہمت اور موت سے قربت سے حاصل سکون کا پتہ چلتا ہے۔

فقیر وحید الدین روزگار فقیر میں لکھتے ہیں---

گلے کی تکلیف میں ایک ڈاکٹر علامہ اقبال کو دیکھنے آیا۔اس نے چند دوائیں تجویز کیں۔ پھر کہنے لگا اس مرض میں پرہیز ضروری ہے۔فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کیجئے۔علامہ نے پوچھا لیکن اگر میں آپ کی ہدایات پر عمل نہ کروں تو، ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔تو خدانخواستہ آپ کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔حکیم الامتؒ کہنے لگے ڈاکٹر صاحب کیا انسان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا ہے جو موت کے خطرے سے خالی ہے۔ڈاکٹر یہ سن کر حیران رہ گیا اور پھر کہنے لگا آپ کی سی طبیعت کا مریض میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

زندہ رود میں ڈاکٹر جاوید اقبال، اقبال کی آخری رات کے واقعات میں لکھتے ہیں---

''اقبال کوئی گھنٹے بھر کے لیے سوئے ہوں گے کہ شانوں میں شدید درد کے باعث بیدار ہو گئے۔ڈاکٹر عبدالقیوم اور میاں محمد شفیع نے خواب آور دوا دینے کی کوشش کی، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔فرمایا:''دوا میں افیون کے اجزا ہیں اور میں بے ہوشی کے عالم میں مرنا نہیں چاہتا۔'' علی بخش اور میاں شفیع ان کے شانے اور کمر دبانے لگے تا کہ درد کی شدت کم ہو لیکن تین بجے رات تک ان کی حالت غیر ہو گئی''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال زندگی جو صحت کے ساتھ ہو اُسے سب سے بڑی نعمت جانتے تھے۔

سید نذیر نیازی سے ایک گفتگو کے درمیان علامہ نے بتایا.....''زندگی نعمت ہے بہت بڑی نعمت لیکن اس کے ساتھ صحت کا ہونا کس قدر ضروری ہے میرا اشارہ انکار نعمت کی طرف نہیں بلکہ زوال نعمت کی طرف ہے۔علم کی لذت بڑی چیز ہے لیکن اس میں کچھ مزا ہے تو جب ہی کہ زندگی کے ساتھ صحت ہو۔انسان کچھ کہے کچھ کر سکے۔یہ نہیں تو زندگی کیا ہے ہیچ، حکمت وفلسفہ ہیچ''۔

اقبال زندگی کے ہر لمحہ سے مثبت کام لینا چاہتے تھے۔وہ صاحب فراش نہیں رہنا چاہتے تھے اسی لیے وہ ہر نسخہ کو آزمانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔چنانچہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر کام کرنا چاہتے لیکن بیماری کے زمانے میں بھی بستر مرگ سے قوم کو زندگی کا پیغام دینے میں مصروف رہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں ---

آواز کی اچانک خرابی اقبال کے لیے ایک نفسیاتی دھچکا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس مصیبت سے جتنی جلد ممکن ہو سکتا ہے چھٹکارا حاصل ہو اور وہ معمول کے مطابق اپنی مصروفیات کی طرف متوجہ ہوں۔ ڈاکٹروں، حکیموں، اور جراحوں کے علاج نے ان پر مایوسی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ غالباً اسی سبب وہ ٹونکوں یا ٹٹکلوں پر اتر آئے تھے یا کسی معجزہ کے منتظر تھے۔ بیماری کے باعث ملکی سیاست میں ان کی دلچسپی کچھ محدود سی ہو گئی، لیکن بالکل ختم نہ ہوئی۔ اس زمانے کے اخبارات بالخصوص انقلاب میں ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہم مسائل پر وہ اپنی رائے کا اظہار ضرور کرتے مثلاً کشمیر میں ایجی ٹیشن ہنوز جاری تھی اور ریاستی پولیس سیاسی مظاہرین کو وحشیانہ سزائے بیدزنی دینے پر یا ان پر گولی چلانے سے باز نہ آتی تھی۔ اس سلسلے میں اقبال نے ۲۲ر فروری ۱۹۳۴ء کو نہ صرف وائسرائے کو تار بھیجا بلکہ ۳ر مارچ ۱۹۳۴ء کو ایسی انسانیت سوز سزاؤں کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے جمعیتِ اقوام کے نام ایک برقی پیغام بھی لندن ٹائمز میں شائع کرایا۔

اس کو کہتے ہیں "حقوق بشر" کی حفاظت اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اپنے کلام میں یوں پیغام دے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
شعر را مقصود اگر آدم گری است
شاعری ہم وارثِ پیغمبری است

❁❁❁

گزارش امراض۔ اقبال کے قلم سے (Medical History by Iqbal)

شاید اُردو ادب میں کوئی ایسا شاعر اور ادیب نہ ہو جس نے علامہ اقبال کی طرح مفصل اپنی بیماریوں کی روداد لکھی ہو۔ علامہ نے (251) سے زیادہ خطوں میں مختصر اور مفصل اپنی بیماریوں کی کیفیت بڑے ہی جامع اور مفید طور پر لکھی ہے جس کے پڑھنے سے آج تقریباً ستر

اسّی سال بعد بھی مرض کی تشخیص کی جا سکتی ہے۔ جوانی ہی سے اقبال کو بیماریوں نے گھیر رکھا تھا چنانچہ وہ درد و دوا کے عادی تھے۔ یونانی دواؤں کو ایلوپیتھک دواؤں پر ترجیح دیتے تھے۔ اگرچہ اکثر ڈاکٹر اور حکیم خود اقبال کی کوٹھی پر پہنچ کر ان کا علاج کرتے تھے لیکن جو ڈاکٹر اور حکیم لاہور سے باہر رہتے ان کو وہ اپنی بیماری کی ضروری ہدایات لکھ کر بھیجتے اور دوا دریافت کرتے تھے اور بعض اوقات خود ان سے ملنے لاہور سے باہر جاتے تھے۔

سید نذیر نیازی اور ڈاکٹر مظفر قریشی کے ذریعہ حکیم ناچیا عبدالوہاب انصاری کو، بھوپال میں ڈاکٹر عبدالباسط اور ان کے مشاور و معاون ڈاکٹروں کو، اسٹریا، ویانا میں ڈاکٹر مظفر حلق و گوش بینی (ENT) اسپشلسٹ کو اور بعض دور دراز دوست و احباب کو اپنی بیماری سے مطلع کرتے اور جو شخص بھی کوئی نسخہ لکھ دیتا اُس پر عمل کرتے صرف سرجری یا جدید ایلوپیتھک علاج سے قبل آخری عمر میں حکیم ناچیا سے مشورہ کرلیا کرتے اور اُن کی رائے بغیر دوا استعمال نہ کرتے۔

کئی خطوں کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے اپنی بیماری کی گزارش کو جس طرح سے پیش کیا ہے کوئی دوسرا اس طرح سے پیش مشکل سے ہی کرسکتا تھا۔

بقول فارسی شعری مقولہ ؎

کس نخارد پشت من
جز ناخن انگشت من

یعنی کوئی چیز میری پیٹھ کو کھجانے میں میری انگلی سے بہتر نہیں ہوسکتی۔

علامہ کی تحریریں حکیموں، ڈاکٹروں، دوستوں اور رشتہ داروں سے بہتر ان کی بیماری کی عکاسی کرتی ہیں۔ ذیل کے چند خطوں سے ہماری بات واضح ہو جائے گی۔

۱۲ر نومبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''آواز میں کچھ ترقی ہوئی تھی، مگر وہ ترقی عارضی ثابت ہوئی۔ میں کوئی بد پرہیزی بھی نہیں کرتا، البتہ صحت کی حالت ایسی ہے کہ کوئی شخص مجھے بیمار خیال نہیں کرتا۔''

سید نذیر نیازی اقبال کے حضور میں لکھتے ہیں۔ جمعہ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۸ء

''میں نے خیریت مزاج دریافت کی اور اور ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت علامہ نے حسبِ معمول فرمایا: الحمدللہ۔ پھر اپنی صحت اور علالت کا ذکر کچھ اس طرح کرنے لگے کہ اس میں یاس و حزن کا رنگ غالب تھا۔ ارشاد ہوا: مجھ پر چار حملے ہو چکے ہیں۔ ایک قولنج کا دورہ، جو آج سے بہت پہلے بڑی شدت کے ساتھ ہوا تھا، پھر ۱۹۲۸ء میں دردِ گردہ نے خاصا پریشان

کیا۔۱۹۳۴ء میں گلا بیٹھ گیا اور اب چند دنوں سے جو حالت ہے اچھی نہیں ہے۔لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ قولنج اور دردِ گردہ تو خیر دو الگ الگ تکلیف تھیں البتہ ۱۹۳۴ء اور اب کا معاملہ دراصل ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔''

۹/جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل عرض ہے:

(۱) چلنے پھرنے کی قوت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔عام صحت کسی قدر بہتر ہو گئی ہے۔

(۲) پاؤں پر کسی قدر ورم معلوم ہوتا ہے۔

(۳) کسی قدر خشک بواسیر بھی ہے۔ممکن ہے یہ اس تبدیلی کی وجہ سے ہو جو حکیم صاحب قبلہ نے دوا میں کی تھی۔

(۴) پاخانہ تین چار دفعہ دن میں آتا ہے۔

(۵) بھوک کم ہے باقی رہا سو شانوں کے درمیان جو درد ہوتی تھی وہ Embrocation سے جاتی رہی ہے۔آواز کی حالت بدستور ہے۔بھوک میں کمی ہے۔

۱۳/فروری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''بجلی کا علاج ابھی صرف چار دفعہ ہوا ہے کچھ خفیف سا فرق آواز میں ہے۔نبض کی حالت اور علیٰ ہذا القیاس اور دل اور پھیپھڑوں کی حالت بہت عمدہ ہے۔''

۲۰/مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں۔۔۔

''کل میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں میں نے اپنی تین شکایتیں لکھی تھیں یعنی اجابت کا کھل کر نہ ہونا، نیند کا نہ آنا، اور پیٹھ کا درد۔دو باتیں اور تھیں جن کو لکھنا بھول گیا۔یعنی پیشاب کا کم آنا، ایک پاؤں میں خفیف سا ورم ہونا، جو غالباً خرابی جگر کی علامت ہے۔''

اقبال اپنے قلم سے پروفیسر الیاس برنی صاحب کو اپنی بیماری کی رپورٹ لکھتے ہیں۔۔۔

''لاہور۔۱۲/جون ۳۶ء

مخدومی پروفیسر صاحب السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے نہایت شکرگزار ہوں۔مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کو طب میں بھی دخل ہے۔اگر معلوم ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں لکھتا۔

دو سال سے اوپر ہو گئے۔جنوری کے مہینے میں عید کی نماز پڑھ کر واپس آیا۔سویاں دہی

کے ساتھ کھاتے ہی زکام ہوا۔ بہدانہ پینے پر زکام بند ہوا تو گلا بیٹھ گیا۔ یہ کیفیت دو سال سے جاری ہے۔ بلند آواز سے بول نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے مجھے بالآخر بیرسٹری کا کام بھی چھوڑنا پڑا۔ انگریزی اور یونانی اطبا دونوں کا علاج کیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ مجھے کسی قدر دمہ کی بھی شکایت ہو گئی۔ حکیم نابینا صاحب نے فرمایا کہ تمہاری بیماری ایک ہلکا سا دمہ ہے۔ کھانسی اس شدت سے آتی تھی کہ میں بے ہوش ہو جاتا تھا اب یہ کیفیت نہیں ہے۔ صبح بلغم نکلتی ہے علیٰ ہذا القیاس کھانا کھانے کے بعد بھی سفید بلغم نکلتی ہے۔ جس کے نکلنے سے آواز نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے۔ انگریزی اطبا کی تشخیص یہ ہے کہ ایک رگ جسے Aorta کہتے ہیں اور جو قلب کے قریب ہے ایک مقام سے پھیل گئی ہے اس کا دباؤ ووکل کارڈ پر پڑتا ہے جس کے سبب سے بولنے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ان کی تشخیص یہ بھی ہے کہ طویل بیماری سے قلب کی رگیں کمزور ہو گئیں ہیں اس واسطے عام کمزوری ہو گئی ہے اور مجھے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس میں Excitement پیدا ہو۔ ذرا سی محنت کرنے سے دم پھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غسل کرنے میں اپنے ہاتھوں سے اپنا بدن بھی اگر ملوں تو دم چڑھ جاتا ہے۔ عام کمزوری بھی ہے۔ یہ مختصر کیفیت میری بیماری کی ہے۔ اگر آپ کوئی دوا تجویز کریں گے تو ضرور مفید ہو گی۔''

اقبال کا علاج بیک وقت کئی حکیم اور ڈاکٹروں کے ذریعہ ہو رہا تھا اس لیے اقبال تشخیص مرض اور اس کے علاج کا حال اپنے تمام معالج ڈاکٹروں اور حکیموں کو لکھ رہے تھے۔ چنانچہ حکیم نابینا کو سنانے کے لیے ۲ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔

''اس سلسلے میں پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید کہ آپ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اگر اب تک آپ ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے تو جلد جائیں۔ ڈاکٹروں نے مزید معائنہ کیا ہے اور چھاتی وغیرہ کی اکس ریز X-Rays فوٹو لیے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ دل کے اوپر کی طرف ایک نئی Growth ہو رہی ہے جس کے دباؤ سے ووکل کارڈ Vocal Cord متاثر ہوتی ہے۔ اُن کے نزدیک اس بیماری کا علاج الیکٹرک ہے اور بہترین الیکٹرک علاج یورپ میں ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس Growth کا اثر پھیپھڑوں پر نہ پڑے۔ اس وقت تک پھیپھڑے اور دل اور دیگر اعضاء اندرونی بالکل صحیح اور تندرست حالت میں ہیں۔ ان اُمور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ معاملہ پیچیدہ ہے لیکن میں اس سے پہلے مغربی اطبا کا امتحان کر چکا ہوں۔ حکیم صاحب سے مشورہ کئے بغیر یورپ نہ جاؤں گا۔ اور یورپ کے علاج پر روپیہ خرچ بھی نہیں کر سکتا۔ پہلے حکیم صاحب کی عنایت سے ہی میں اچھا ہو

گیا تھا۔اب پھر میرا بھروسہ انہی پر ہے۔اگر ضروری ہوا تو میں خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سب حال عرض کروں گا۔والسلام''

علامہ کے ایکس ریز میں پہلے یہ اندیشہ کیا گیا کہ دل کے اوپری حصے میں کوئی ٹیومر یا نئی Growth ہے لیکن اس تشخیص میں ڈاکٹروں کے درمیان اختلاف رائے تھا چنانچہ اس ضمن میں اقبال نے خود کئی خطوط لکھ کر اس پیچیدہ مسئلہ کا حل دریافت کیا۔

۵/جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''نیز حکیم صاحب اور اپنے امریکی دوست سے دریافت کریں کہ وہ اس Growth کے متعلق کیا کہتے ہیں۔۔۔جس کو ڈک صاحب بیماری کی اصل علت قرار دیتے ہیں۔بلغم کے متعلق لکھ چکا ہوں زیادہ تر کچی بلغم نکلتی ہے کبھی کبھی مخمد بھی آتی ہے مگر کم۔شام کے قریب بالعموم بہت بھاری ہو جاتی ہے۔بات آہستہ کر سکتا ہوں اونچی آواز بالکل نکل نہیں سکتی نہ صبح نہ شام۔کہتے ہیں کہ ایکس رے ایکسپوژر سے یہ Growth یا تو تحلیل ہو جائے گی یا اس کی نشوونما رک جائے گی۔کیا یہ ممکن ہے کہ حکیم صاحب کی دوا کے استعمال کے ساتھ ساتھ یہ علاج بھی جیسا کہ لاہور میں موجود ہے کیا جائے؟''

۱۱/جولائی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''ابھی دوبارہ X-Ray سے سینہ دکھا کر آیا ہوں۔یہ بات اب یقین ہو گئی ہے کہ ٹیومر یا Growth نہیں صرف شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے۔کہتے ہیں کہ شاہ رگ کا پھیلاؤ یا تو خون کے سمی مادوں سے پیدا ہوتا ہے یا بعض پہلوانوں اور گویوں کو بھی ہو جاتی ہے۔نفس کے زیادہ استعمال کی وجہ سے۔''

۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں۔۔۔

''وہ فوٹو جو آپ نے میرے سینے کا لیا تھا اسے اکسپرٹ اوپینین کے لیے ویانا بھیج دیا جائے تو بہت مناسب ہے۔ڈاکٹر خان بہادر صاحب سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ وہ ڈاکٹر رحمٰن صاحب سے کہہ کر اسے ویانا بھجوا دیں اور نیز اکسپرٹ کی جو فیس ہوگی وہ میں ادا کروں گا۔معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے بھجوایا ہے یا نہیں۔مہربانی کر کے ان سے دریافت کر کے جہاں تک ہو جلد اطلاع دیجئے۔''

۱۸/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں۔۔۔

''میں نے ڈاکٹر انصاری اور سید راس مسعود سے خط و کتابت کی ہے اور دونوں حضرات

نے ویانا جانے کے خیال کی تائید کی ہے۔۔ڈاکٹر انصاری نے مجھے ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا پتہ دیا ہے اور خود بھی ان کو خط لکھا ہے اب آپ مہربانی کر کے وہ فوٹو ڈاکٹر مظفر علی صاحب کی خدمت میں بھجوا دیں۔اس فوٹو کے ساتھ بیماری کی ہسٹری پر ایک نوٹ بھی ڈاکٹر رحمٰن صاحب سے یا ڈاکٹر خان بہادر صاحب سے لکھوا کر ان کی خدمت میں ارسال کریں۔علاوہ اس کے جو تھوڑا سا اختلاف آپ میں اور ڈاکٹر رحمٰن صاحب میں فوٹو کے متعلق ہے اس پر بھی ایک نوٹ لکھ کر ڈاکٹر مظفر علی صاحب کو بھجوا دیں۔۔۔ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا پتہ ہے۔

Dr.M.Ali M.D
IX Harmoniegasse
415 Wiena, Austria

۷ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں۔۔۔

''سید مسعود صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ فوٹو آسٹریا بھیج دیے گئے امید کہ آج کل میں مجھے وہاں سے جواب آئے گا۔انشاءاللہ اب عنقریب حاضر خدمت ہوں گا مہربانی فرما کر مطلع فرمایئے کہ جنوری میں وہاں موسم کیسا ہوگا اور آیا دسمبر کی تعطیلات میں ہسپتال تو بند نہ ہوگا۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں۔۔۔۔

''آج ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا خط ویانا، آسٹریا سے آیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ بھوپال سے کوئی کاغذات ان کو موصول نہیں ہوئے۔''

❁❁❁

اقبال کی میڈیکل ہسٹری اور معائنہ

آج سے پچیس(25) تیس(30) سال قبل جب میں گلاسگو اسکاٹ لینڈ انگلینڈ میں میڈسن کے تخصص کی ڈگری حاصل کرنے لیے وہاں کے بڑے ہسپتال رایل انفرمری میں مشغول طبابت و تحصیل تھا۔اُس وقت میں نے پیتھالوجی ڈپارٹمنٹ کے میوزیم میں دو بڑے ڈھائی گز لمبے ۲ گز چوڑے سفید تختے دیوار پر چسپاں دیکھے ایک پر اُس ہسپتال کے پیتھالوجسٹ ڈاکٹر ٹیچر نے اپنی زندگی میں خود اپنی پوسٹ مارٹم رپورٹ لکھی تھی اور دوسرے تختے پر ان کے اسٹیٹ نے پروفیسر ٹیچر کے مرنے کے بعد ان کا پوسٹ مارٹم کر کے رپوٹ لکھی تھی۔میرے تعجب کی انتہا نہ تھی کیوں کہ دونوں رپوٹیں تقریباً ایک ہی طرح کی تھیں صرف پروفیسر ٹیچر یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دماغ کے سیدھے حصے میں فالج کی وجہ سے کچھ حصہ گھل کر بڑا سوراخ بنا چکا ہے جو پوسٹ

Diagnosis:

- Congestive heart failure (Right) (Reference)
- Ischemic heart disease (Angina) (Reference)
- Bradycardia (Av block)
- Cardiac Irrhythemia
- Cardiomegaly (Reference)
- Pneumonia
- Pulmonary Edema
- Pulmonary Congestion
- Pleural Effusion
- Hepatomegaly (Passive Venous Congestion) (Reference)
- Ascitis, bilateral feet edema (anasarca) (Reference)
- Left Renal Calculus - (Renal Colic) (Reference)
- Gout (Reference)
- Vocal cord polyps (hoarseness of voice)
- insomina (Reference)

Present History:

1. Shortness of Breath (Dyspnea) (Reference)
2. Congestive Heart Failure (Right)
3. Ischemic Heart Disease (Unstalbe Angina) (Reference)
4. Pneumonia and Cough
5. Insomina (Reference)
6. Hoarseness of Voice (Reference)
7. Bilateral immature cataract (Reference)
8. Fatigue (Reference)
9. Pulmonary Edema
10. Constipation (Reference)
11. On and off attacks of Gout (Reference)
12. On and off attacks of Renal colic (Reference)

Family History:

1. Mother suffered from Renal colic attacks. (Reference)
2. Father had total blindness probably due to cataract.(Reference)
3. Father died at the age of 93 years (Reference)
4. Mother died at the age of about 75 years (Reference)

Personal History:

- Smoker = 30-35 years (References)
- Alcohol = Never drank (References)
- Druge Use= Not known
- Herbal Medicine = Used regularly (References)
- Unani Medicine = Used regularly ((References)

Rarely in Kushta and majoons with metalic ingredients. (References)

- Fatty and oily Diet ((References)

Chief Complaints:

1. Shortness of Breath (Dyspnea) (Reference)
2. Sputum with blood and cough (Reference)
3. Pain in Shoulders (Reference)
4. Hoarseness of Voice (Reference)
5. Ascitis (Reference)
6. Edema of both feet (Reference)
7. Cataract in both eyes (Reference)
8. Insomnia (Reference)

Medical Investigations:

1. Blood Test report - Septicemia, High uric acid (Reference)
2. X-Ray abdomen report - Renal Calculus (Reference)
3. X-Ray chest report - Cardiomegaly (Reference)
4. Bilateral Cataract (both eyes) (Reference)

علامہ اقبال کی آخری علالت

علامہ اقبال کی آخری علالت یا مرض الموت کو سمجھنے کے لیے ہم سید نذیر نیازی کے مشہور مضمون ''آخری علالت'' سے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ یہ پہلا اور جامع مضمون تھا جو نیازی صاحب نے علامہ کے انتقال کے کچھ مہینوں بعد شائع کیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ علامہ کے مرض الموت سے نیازی صاحب سے بہتر کون واقف ہو سکتا ہے۔ علامہ کے سو سے زیادہ خطوط نیازی صاحب کے نام ہیں اور تقریباً تمام خطوں میں علالت یا اس سے مربوط مسائل کا بیان ہے۔

۱۹۳۴ء کا ذکر ہے، عید الفطر کا دن تھا۔ ۱۰ر جنوری لاہور کے ہر گلی کوچے میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ حضرت علامہ بھی نہایت مسرور تھے۔ ان کا معمول تھا کہ اس مبارک تقریب پر ہمیشہ احباب کے ساتھ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ چودھری محمد حسین صاحب سے رات ہی سے کہہ رکھا تھا۔ ان کے آنے پر گاڑی منگوائی گئی اور حضرت علامہ، چودھری صاحب، جاوید سلمہ اور علی بخش کے ساتھ شاہی مسجد روانہ ہو گئے۔

علی بخش کہتا ہے ۱۰ر جنوری کا دن نہایت سرد تھا۔ صبح ہی سے تیز اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حضرت علامہ لباس کے معاملے میں نہایت بے پروا تھے۔ سوٹ اسی وقت پہنتے جب کوئی خاص مجبوری ہوتی۔ گلوبند سے تو خیر انہیں نفرت تھی ہی موزے بھی استعمال کرتے تو نہایت

باریک، بالعموم شلوار، کوٹ اور پگڑی ہی میں باہر تشریف لے جاتے۔ اس روز بھی ان کا لباس یہی تھا۔ علی بخش کا خیال ہے کہ حضرت علامہ کو موٹر میں آتے جاتے ہوا لگی۔ اس پر طرہ یہ کہ جاڑے کی شدت سے زمین یخ ہو رہی تھی۔ جن حضرات نے شاہی مسجد کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ دروازے سے محراب تک کتنا فاصلہ ہے۔ حضرت علامہ کو دوبار صحن سے گزرنا پڑا دونوں بار ان کے پاؤں نے سردی محسوس کی۔ واپس آئے تو حسب عادت سویاں کھائیں۔ پنجاب میں شیر خرما کا رواج بہت کم ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ سویاں ابال کر رکھ لیں اور پھر جب جی چاہا ان میں دودھ اور شکر کا اضافہ کر لیا۔ لیکن حضرت علامہ نے اپنے والد ماجد مرحوم کی تقلید میں دودھ کی بجائے دہی استعمال کیا۔ عید کا دن تو خیر آرام سے گزر گیا لیکن اگلے روز ان کو نزلے کی شکایت ہو گئی۔ حضرت علامہ کا گلا بچپن ہی سے خراب رہتا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے آج سے انیس بیس برس پہلے جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت بھی وہ منٹ دو منٹ کے بعد زور زور سے کھنکار لیتے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ حکیم فقیر محمد صاحب مرحوم نے انہیں عرصے سے تاکید کر رکھی تھی کہ دودھ اور ہر اس شے سے جو دودھ سے بنی ہو پرہیز کریں۔ لہٰذا اس موقع پر انہیں قدرتاً یہی خیال ہوا کہ یہ سردی میں دہی کھا لینے کا اثر ہے جو دو چار دن میں جاتا رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے کچھ دوائیں استعمال کیں جن سے بہت کم فائدہ ہوا اور ڈاکٹری (اور غالباً طبی) جو بھی علاج کیا گیا ناکام رہا۔ علی بخش معمولاً ان کی خواب گاہ کے پاس ہی بڑے کمرے میں سویا کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ''اس تکلیف کو شروع ہوئے ۱۵ دن گزرے تھے کہ ایک شب کو دفعتاً میری آنکھ کھل گئی، اس وقت کوئی دو ڈھائی کا عمل ہوگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب چارپائی پر بیٹھے کھانسی سے بے حال ہو رہے ہیں۔ صبح تک یہی حالت رہی۔ اب کی دفعہ ان کے لیے مسہل تجویز کیا گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ کھانسی تو جاتی رہی مگر گلا بیٹھ گیا۔'' اس کے بعد ایک نہیں متعدد علاج ہوئے۔ اطبا اور ڈاکٹروں نے جو تدبیر سمجھ میں آئی کی۔ بعض دفعہ تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ حضرت علامہ بالکل تندرست ہیں لیکن گلے کو ٹھیک نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ معلوم نہیں ان کا مرض کیا تھا کہ اس کے سامنے تمام کوششیں اکارت گئیں۔

میں ان دنوں دہلی میں تھا اور ان حالات سے بالکل بے خبر۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ڈاکٹر بہجت وہبی جامعہ ملیہ کی دعوت پر توسیعی خطبات کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کی خواہش تھی کہ سال گذشتہ کی طرح ان میں سے کسی ایک کی صدارت حضرت علامہ بھی کریں۔ یوں بھی جامعہ کا ہر طالب علم ان کی زیارت کا مشتاق تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ذاکر صاحب کی فرمائش پر ایک